مروّجہ جلسے

بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

مؤلف
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ
(م: ۲۸؍ستمبر ۲۰۱۳ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو، یوپی)

ترتیب جدید
مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)

مروّجہ جلسے

بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح

مولف

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ (م: ۲۸/ ستمبر ۲۰۱۳؁ء)
(بانی: مدرسہ سراج العلوم، چھپرہ، ضلع مئو یوپی)

مرتب

مولانا ضیاء الحق خیر آبادی

ناشر

مکتبہ ضیاء الکتب، خیر آباد، ضلع مئو (یوپی)
پن کوڈ: 276403   موبائل: 9235327576

تفصیلات

نام کتاب : مروجہ جلسے: بے اعتدالیاں اور ان کی اصلاح
مؤلف : حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
مرتب : مولانا ضیاء الحق خیرآبادی
صفحات : 24
طبع اول : ۲۰۱۵ء
ناشر : مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی)
قیمت : 30/=
ای میل: zeyaulhaquekbd@gmail.com

ملنے کے پتے

☆ فرید بک ڈپو پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
☆ مدرسہ سراج العلوم چھپرہ ضلع مئو یوپی 9235327576
☆ مکتبہ الفہیم صدر چوک مئوناتھ بھنجن 9236761926
☆ مولانا محمد خالد قاسمی مکتبہ دارارقم، اسلام آباد (ڈکہا) جون پور 9554983430

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ، اورنصیحت کرتے رہو، بلاشبہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔ چنانچہ زمانہ قدیم سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ علماء حق مساجد میں، مدارس میں یا خانقاہوں میں وعظ ونصیحت اور تذکیر وتلقین کیا کرتے تھے، اہل ایمان اس میں ذوق وشوق سے شریک ہوتے اوران مواعظ سے اپنے قلوب میں اللہ ورسول کی محبت اوراحکام اسلام پر عمل کا جذبہ اور حوصلہ لے کر لوٹتے تھے۔ یہ سلسلہ سادگی کے ساتھ چلتا رہا، جب ملک میں انگریزوں کی حکومت آئی تو تمام پچھلی قدریں الٹ پلٹ گئیں اور ہر جگہ حقیقت کی جگہ نمائشوں نے لے لی اور ہر چیز کے ساتھ وعظ وتلقین کا یہ طرز بھی متاثر ہوا، اور رفتہ رفتہ باقاعدہ اس کے لئے بڑے بڑے پوسٹر اور اشتہار شائع ہونے لگے اور اسے پہلے تو جلسہ اور اجلاس پھر عظیم الشان اجلاس اور اب کانفرنس کا نام دیا جاتا ہے، اور صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ عشا کے بعد یہ پروگرام شروع ہوتا ہے اور رات کا بیشتر حصہ اس کی نذر ہوجاتا ہے، جس کے نتیجے میں اس کے فوائد سے زیادہ اس کے نقصانات ظاہر ہونے لگے۔ اس صورتحال کی خرابی کو استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ نے بہت شدت سے محسوس کرتے تھے اور بیان کرتے تھے، انھوں نے تو اس طرح کے جلسوں میں شرکت بھی ترک کردی تھی، اور اس پر ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ ضیاء الاسلام میں کئی قسطوں میں لکھا جو بے حد پسند کیا گیا، اب اسے علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا جارہا ہے، اس کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر دو مضمون جو حضرات علماء کیلئے بہت کارآمد چیز ہے شامل کردیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ اس سعی کو قبول فرمائے اور مولف کیلئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

ضیاء الحق خیر آبادی

۱۱؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۶ھ مطابق ۳؍ مارچ ۲۰۱۵ء سہ شنبہ

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله وأستعينه وأستغفره أعوذ بالله من شر نفسي ومن سيئات عملي، من يهدالله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له،وصلى الله علىٰ سيدنا ومولانا محمد و آله وصحبه أجمعين ، أمابعد!

کسی معاشرہ میں جب کوئی چیز بے تکلف اور بغیر کسی ردوانکار کے رواج عام پاجاتی ہے، تو وہ بطور اصول مسلمہ کے، سب کے دلوں میں جاگزیں ہوجاتی ہے، بالخصوص جب کہ اس کا تعلق کسی دینی معاملے سے ہو، دین کی نسبت سے اس میں تقدس کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، اگر کبھی کوئی اس رواج عام میں ترمیم یا اصلاح کرنا چاہتا ہے تو ملامت اور طعن کا نشانہ بن جاتا ہے، اس مجلس میں ایسے ہی ایک رواج عام کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مسلمانوں میں ایک عرصے سے ایک خاص طرح کے دینی جلسوں کا رواج ہے، یہ جلسے مدارس اسلامیہ میں بھی ہوتے ہیں، عوام کے حلقوں میں بھی ہوتے ہیں، کبھی انھیں جلسہ کہا جاتا ہے، کبھی اجلاس لکھا جاتا ہے، کبھی کانفرنس کے نام سے ہوتے ہیں، لیکن نام خواہ کوئی ہو، جلسہ کی ہیئت، اس کا پروگرام یکساں ہی ہوتا ہے، اس ہیئت کے جلسے کب سے رائج ہیں، مجھے تاریخ معلوم نہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کے ابتدائی رواج پر سو سال کا عرصہ ضرور ہوا ہوگا۔ اس رواج سے پہلے جو کچھ ملتا ہے وہ یہ کہ علماء حق مسجدوں میں وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے، یا کسی جگہ مدرسہ میں، خانقاہ میں کوئی عالم، کوئی بزرگ ہفتہ میں کسی ایک دن تقریر کردیتے، لوگ وہاں حاضر ہوتے، اور ضرورت اور وقت کے مطابق ان کے وعظ ہوتے، بعض مرتبہ وعظ سے پہلے کوئی قاری قرآن کچھ آیتیں پڑھتا، پھر وہ بزرگ انھیں آیات کا ترجمہ کرتے، تشریح کرتے، عموماً وعظ کا یہی دستور تھا، ان دنوں خانقاہیں آباد اور

معمور تھیں، لوگ ان خانقاہوں اور تربیت گاہوں میں حاضری دیتے اور دینی و دنیوی منافع سے مالا مال اور نہال ہو کر لوٹتے۔

پھر جب مسلمانوں کی حکومت یہاں سے گئی، اور انگریزوں نے قدم جمائے، تو پچھلی قدریں آہستہ آہستہ بدلتی گئیں، حقیقت کی جگہ نمائشیں ابھرنے لگیں، ہر چیز کے طور میں تبدیلی آنے لگی، تو وعظوں کا دستور بھی متاثر ہوا، اور اب جو صورت حال عرصہ سے ہمارے سامنے ہے، وہ یہ ہے کہ ایک رات یا دو رات کا جلسہ ہوتا ہے، ایک ایک جلسہ میں متعدد مقررین کو دعوت دی جاتی ہے، خوش گلو نظم خواں بلائے جاتے ہیں، اشتہار شائع کئے جاتے ہیں، اکثر جگہوں پر جلسہ کے باضابطہ آغاز سے پہلے چھوٹے بڑے متعدد نعت خواں اپنے جوہر آزما چکے ہوتے ہیں، پھر جلسہ کا باضابطہ آغاز ہوتا ہے، لوگ ادھر ادھر منتشر ہوتے ہیں، تحریک صدارت ہوتی ہے، تائید ہوتی ہے، ادھر چند برسوں سے تائید کا سلسلہ کم رہ گیا ہے، اناؤنسر اعلان کے نام پر اچھی خاصی تقریر کر لیتا ہے، بعض اناؤنسر اشعار سے اپنی تقریر سجاتے ہیں، پہلے ایک یا دو قرأت ہوتی ہے، پھر نعت خواں طلب کئے جاتے ہیں، وہ کافی وقت لے لیتے ہیں، کبھی کبھی دو دو تین تین نعت خواں ہوتے ہیں۔ بریلویوں کا جلسہ ہوا، تو اس پر مجلس وعظ سے زیادہ محفل مشاعرہ کا گمان ہوتا ہے، اتنی دیر تک مجمع ادھر ادھر رہتا ہے، اناؤنسر آدابِ مجلس کا حوالہ دے کر لوگوں کو پنڈال میں سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن بکھرا ہوا ہر آدمی سمجھتا ہے کہ میں اس کا مخاطب نہیں ہوں، دوسرے لوگ ہیں، پھر جب تقریر شروع ہوتی ہے، تو تقریر کے انداز اور تقریر کرنے والے وزن کے اعتبار سے لوگ بیٹھنے لگتے ہیں، جلسوں میں دستور ہے کہ پہلے ہلکے پھلکے مقررین بلائے جاتے ہیں، پھر اصل مقرر کو دعوت دی جاتی ہے، لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ نعت خوانی اور ہلکی پھلکی تقریریں اتنا وقت لے لیتی ہیں کہ مجمع اُکتا جاتا ہے، سونے لگتا ہے، اور اصل مقرر کے حصے میں بچا کھچا مجمع اور وہ بھی ایک حصہ سوتا ہوا نصیب ہوتا ہے، اب یہ اس کی طاقت کا کرشمہ ہوتا ہے کہ سوتوں کو جگا لے اور بھاگتوں کو بلا لے۔ اس طرح رات کا بڑا حصہ گزر جاتا ہے، اور سامعین کے پلے زیادہ تر یہی بات پڑتی

ہے کہ فلاں صاحب تو بالکل بے مزہ تھے، یا فلاں صاحب غنیمت تھے، البتہ فلاں صاحب کی تقریر اچھی ہوئی، قلوب پر کیا اثرات ہوئے، ایمان کتنا جاگا، عمل کا ذوق ابھرا یا نہیں؟ اللہ کی محبت، رسول کی محبت، شریعت کی عظمت، آخرت کی رغبت، جنت کا شوق، جہنم کا خوف، دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ دل میں کتنا جما، عموماً مجمع ان سب چیزوں سے برکنار رہتا ہے، مقررین کے درمیان موازنہ ہی اصل موضوع کی جگہ لے لیتا ہے، اکثر جلسوں کا یہی حال دیکھنے میں آتا ہے۔

گرمی کا موسم جلسوں کے لئے موسم بہار ہے، اس موسم میں بکثرت جلسے ہوتے ہیں، ان جلسوں میں عوام الناس کی تعداد جتنی بھی ہوتی ہو، آس پاس کے مدارس کے طلبہ بکثرت جاتے ہیں اور اپنی تعلیم کا بڑا نقصان کرتے ہیں۔

میں بہت دنوں سے سوچا کرتا ہوں کہ جلسوں کے اس مروجہ دستور کو بدلنا چاہئے، اس دستور میں فائدے ضرور ہیں، مگر نقصان زیادہ معلوم ہوتا ہے، بعض لوگوں نے کچھ بدلا بھی ہے، مثلاً یہ کہ یہ جلسے بالعموم عشاء کے بعد شروع ہوتے ہیں، لیکن بعض جگہوں میں یہ تبدیلی کی گئی کہ مغرب کے بعد ہی سے جلسے شروع کئے جانے لگے، اور گیارہ بجے کے قریب ختم کئے جاتے ہیں، پھر عشاء کی نماز پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے۔ اس تبدیلی کا یہ عذر بیان کیا جاتا ہے کہ دیر رات تک جلسہ ہوتا ہے اور صبح کو فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، یہ بات تو درست ہے کہ دین کیلئے جاگتے ہیں، اور دین ہی کا اہم فریضہ غائب کر دیتے ہیں، لیکن یہ خرابی مغرب بعد شروع ہونے والے جلسوں میں اتنی ہی ہے، بلکہ اس سے زائد جو عشاء کے بعد جلسوں میں ہے، گیارہ بجے جلسہ ختم ہوا، اچھا خاصا وقت عشاء کی نماز میں لگ جاتا ہے، پھر کھانے پینے کی مشغولیت رہتی ہے، نتیجہ کے اعتبار سے رات وہیں تک پہونچ جاتی ہے، جہاں تک عشاء کے بعد جلسوں میں پہونچتی ہے، مزید یہ کہ انسانی کلام کی وجہ سے عشاء کی نماز وقت معہود سے موخر کرنی پڑتی ہے، یہ خود ایک نامناسب چیز ہے، پھر جلسوں میں لوگ آخر تک بیٹھنے کے عادی نہیں ہوتے، کتنے لوگ درمیان میں اٹھتے رہتے ہیں، کتنے لوگ

واپس چلے جاتے ہیں، ان کی یا تو جماعت چھوٹتی ہے، یا سرے سے نماز ہی ترک ہوجاتی ہے، کیونکہ سستی اس وقت تک خوب غلبہ پا لیتی ہے، اس سلسلے میں مناسب یہی ہے کہ جلسہ عشاء کے بعد ہی ہو، دیر رات ہونے کا دوسرا علاج کرنا چاہئے۔

اس کی اصلاح کا طریقہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جلسے کے آغاز کی بے ضابطہ کارروائیاں بالکل بند کردی جائیں، جلسہ عشاء کی نماز کے بعد فوراً شروع کردیا جائے، اور اس میں نعت کا خانہ بند کردیا جائے، نظم میں رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنے سے بہتر نثر میں ہے، اور وعظ میں جو کچھ بیان کیا جاتا ہے، وہ اللہ کی کبریائی اور نبی ﷺ کی محبت وعظمت اور عقیدت کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے، پس یہی نعت کافی ہے اور اصل ہے، باقی نعت خوانیاں گلے کا زور اور حظ نفس ہے۔ بس ابتداء میں قرآن کی تلاوت کرادی جائے، اس کے بعد اصل وعظ شروع ہوجائے، نہ مجمع کو پکارا جائے، نہ اس کا انتظار کیا جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ تقریر شروع ہوتے ہیں مجمع آجاتا ہے، ایک گاؤں میں ہلکا پھلکا ایک جلسہ تھا، اناؤنسر صاحب مسلسل پکار رہے تھے کہ جہاں تک میری آواز جاتی ہو، لوگ جلسہ گاہ میں حاضر ہوں، میں سنتے سنتے اکتا گیا، میں جلسہ گاہ سے کچھ دور منتظمین کے ہجومِ ضیافت میں محصور تھا، میں عجلت میں اسٹیج پر پہونچ گیا، دیکھا تو مجمع نام کی کوئی چیز نہ تھی، اناؤنسر اکیلا گھگھیا رہا تھا، میں نے کہا کہ یہ گزارش بند کیجئے، اور جلسہ شروع کیجئے، قرأت ہوئی، ایک نعت ہوئی، اور میں نے تقریر شروع کردی، دم کے دم میں مجمع جم گیا۔

اناؤنسر صاحب، اناؤنسری کے مد میں جو تقریر کرتے ہیں، وہ بھی موقوف کریں، اس طرح وقت بہت سا بچ جائے گا۔ اب وہ بات کہنا چاہتا ہوں جو اصل ہے، وہ یہ کہ ایک رات میں کئی مقرر جمع نہ کئے جائیں، ایک ہی مقرر کو جو صاحب علم ہوں، دعوت دی جائے، وہ وعظ فرمائیں، اور اسی پر جلسہ ختم کردیا جائے، مناسب وقت جلسہ ختم ہوجائے گا، واعظ کو بھی آسانی ہوگی، یہ کھٹکا نہ ہوگا کہ میرے بعد ایک اور صاحب آنے والے ہیں، مجھے جلدی کرنی چاہئے، کہیں ختم کرنے کا پرچہ نہ آجائے، کہیں سامعین کو شکایت نہ ہو، وغیرہ۔

سامعین کو بھی آسانی ہوگی کہ موازنہ کے مخمصے سے نجات پا جائیں گے، ایک ہی شخص کی طرف سے وعظ ونصیحت کی باتیں ہوئیں، وہ دل میں اتر گئیں، کئی تقریریں ہوتی ہیں تو کسی کا نقش نہیں جمتا، یہ جلسہ آسان بھی ہے، مفید بھی ہے، اور شب وروز کے نظام الاوقات میں خلل بھی نہیں ڈالے گا، اس طریقۂ کار میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید ’’مقرر واحد‘‘ تشریف نہ لائیں تب کیا ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ موعود مقرر کے نہ آنے کی صورت میں جلسہ موقوف کردیا جائے، یا مقامی کسی واعظ ومقرر کی خدمت حاصل کرلی جائے، کام جب اللہ کے لئے ہوگا، تو کوئی اچھی شکل نکل آئے گی، اول تو انشاء اللہ ایسی نوبت نہ آئے گی، اور اگر خدانخواستہ ایک جلسہ موقوف کردیا جائے تو آئندہ احتیاط ہوگی۔

بہر حال وعظ کا سلسلہ تو باقی رہنا چاہئے، اس سے مسلمانوں میں ایمان واخلاص کی روح دوڑتی ہے، مگر یہ کام اللہ کیلئے ہے، اس کو اسی طریقہ پر انجام دینا چاہئے، جیسا کہ اللہ کے واسطے ہونا چاہئے، نمود ونمائش، شہرت طلبی وریاکاری، خلاف عقل وشرع کوئی کام نہ ہو۔

یہ گزارشیں تو جلسے کے منتظمین سے ہیں، کچھ باتیں حضرات مقررین سے بھی عرض کرنی ہیں، میری یہ حیثیت تو نہیں ہے کہ ان اصحاب ذی شان کی خدمت میں کچھ گزارش کرسکوں، تاہم چھوٹا ہی سہی، چھوٹے کی بات بڑے حضرات سن لیں، تو چھوٹے کی سعادت ہوگی۔ میں چھوٹا آدمی ہوں اور جو بات کہنا چاہتا ہوں وہ بڑی ہے، پس ’’چھوٹا منہ بڑی بات‘‘ کی مثل کہی جاسکتی ہے، لیکن بڑے لوگوں سے توقع ہوتی ہے کہ وہ چھوٹوں کی بات بھی سن لیتے ہیں، خدا کرے اچھی بات، اچھے انداز میں کہنے کی توفیق ہو۔

ہمارے یہ دینی جلسے وعظ نصیحت اور تذکیر واحتساب کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں، یہی چیزیں ان جلسوں کا موضوع ہیں، عقائد کا بگاڑ ہو، رسوم بد کا رواج ہو، فرائض سے غفلت ہو، حقوق اللہ سے لاپروائی ہو، حقوق العباد کی پامالی ہو، یا گناہوں میں ابتلاء ہو، ان سب پر روک ٹوک، شریعت پر عمل کرنے کی تلقین، اللہ ورسول کی محبت وعظمت، عبادات کی ترغیب، صحیح اسلامی زندگی گزارنے کی فہمائش، آخرت، قیامت، جنت ودوزخ کی تذکیر!

یہی وہ عناصر ہیں جن سے ہمارے یہ جلسے ترکیب پاتے ہیں، یہ سب کام اللہ کے حکم سے انبیاء کرام علیہم السلام نے کئے ہیں، ان کے جانے کے بعد ان کے وارثین یعنی علماء ربانیین کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ یہ خدمت انجام دیں۔ اسی لئے جلسوں میں حضرات علماء کرام کو مدعو کیا جاتا ہے کہ یہ حضرات اللہ ورسول کے حوالے سے عوام الناس کو دین کی باتیں سمجھائیں، ان وعظوں کے اثر سے قلوب متاثر ہوتے ہیں، عبادت کی رغبت بڑھتی ہے، گناہوں سے خوف ہوتا ہے، جنت کا شوق اور جہنم سے ڈر پیدا ہوتا ہے، دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔

پچھلے دور میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب شہید اور حضرت مولانا عبد الحی صاحب نمونہ کے واعظین میں تھے، ان کے وعظوں سے قلوب کی کایا پلٹ ہوجاتی تھی، یہ حضرات بہت بڑے عالم، صاحب نسبت اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے، اور بڑے بڑے بزرگوں کے صحبت یافتہ تھے، ان دونوں حضرات کے وعظ نمونے کے ہوتے تھے، ان کے وصال کے بعد بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ انھیں کے نمونے کے واعظ تھے، مولانا بہت کم وعظ کہتے تھے، اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا، تو کہہ دیتے۔ ایک مرتبہ کسی کے اصرار پر فرمایا:

’’وعظ ہم لوگوں کا کام نہیں، اور نہ ہمارا وعظ کچھ موثر ہوسکتا ہے، وعظ کام تھا محمد اسماعیل صاحب شہید کا، اور انھیں کا وعظ موثر ہوسکتا تھا، دیکھو اگر کسی کو پاخانہ پیشاب کی حاجت ہوتو اس کے قلب میں اس وقت تک بےچینی رہتی ہے جب تک وہ ان سے فراغت نہ حاصل کرلے، اور اگر وہ کسی سے باتوں میں بھی مشغول ہوتا ہے، یا کسی ضروری کام میں لگا ہوتا ہے، تو اس وقت بھی اس کے قلب میں پاخانہ پیشاب ہی کا تقاضا ہوتا ہے، اور طبیعت اس کی اسی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ جلد سے جلد اس کام سے فراغت پاکر قضائے حاجت کے لئے جاؤں، سو واعظ اور اس کے وعظ کی تاثیر کے لئے کم ازکم اتنا تقاضائے ہدایت تو ضرور ہونا چاہئے جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اگر اتنا بھی نہ ہوتو نہ واعظ وعظ کا اہل ہے، اور نہ اس کا وعظ موثر ہوسکتا ہے، ہم لوگوں کے قلوب میں ہدایت کا اتنا تقاضا ہی نہیں،

جتنا کہ پاخانہ پیشاب کا، اس لئے نہ ہم وعظ کے اہل ہیں، اور نہ ہمارا وعظ موثر ہوسکتا، ہاں یہ تقاضا مولوی اسمٰعیل صاحب کے دل میں پورے طور سے موجود تھا، اور جب تک وہ ہدایت نہ کر لیتے ان کو چین نہ آتا تھا۔‘‘

واقعہ یہ ہے کہ وعظ کا موضوع ہدایت خلق اور تذکیر اہل ایمان ہے، حق تعالیٰ نے فرمایا: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ، اور یاد دہانی کراتے رہو، یہ یاد دہانی اہل ایمان کے لئے نافع ہے، تو جب وعظ کا موضوع ومقصود یہ ٹھہرا، تو واعظ کو اس کا اہتمام کرنا ضروری ہے، کہ

(۱) وعظ محض اللہ کے لئے ہو، اس سے کوئی دنیاوی غرض، خواہ مال ہو یا جاہ ومرتبہ، وابستہ نہ ہو۔

(۲) وعظ کے لئے صحیح معلومات اور صحیح علوم کا انتخاب کیا گیا ہو، واعظ درحقیقت اللہ ورسول کا ترجمان ہوتا ہے، اور ترجمان کے لئے ضروری ہے کہ جس کی ترجمانی کرنی ہے، اس کی منشا معلوم ہو، پھر اسے پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرتا ہو، بے علمی یا کم فہمی یا بدفہمی کے ساتھ جو وعظ ہوگا، وہ گمراہی کا ذریعہ بنے گا۔ جو لوگ ناقص علم اور غلط معلومات لے کر کرسیٔ وعظ پر بیٹھ جاتے ہیں، پھر الٹی سیدھی باتیں، اللہ ورسول کا نام لے لے کر بیان کرنے لگتے ہیں، وہ سخت خطرناک راہ پر چل رہے ہیں، بعض تو بالکل ہی بے علم ہوتے ہیں، مگر بے دھڑک بیان کرتے ہیں، اور اگر اس پر ٹوکا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم وعظ وتقریر نہیں کرتے، ہم تو بات چیت کرتے ہیں، اللہ جانے مجمع عام کے سامنے کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر کچھ کہتے رہنے کو دو خانوں میں کیسے تقسیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ بات چیت ہے، یہ سب کے لئے روا ہے، اور جو کچھ کہیں سب جائز ہے، اور کب وہی وعظ وتقریر ہوجاتی ہے، کہ اس کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے۔

یہ محض فریب نفس ہے، ایسے لوگوں کو بیان کرنا جائز ہی نہیں ہے، جو صحیح اور قدرے معتد بہ معلومات نہ رکھتے ہوں۔ وعظ وبیان ایک عبادت ہے، اور بہت سی عبادات کے زندہ

ہونے کا ذریعہ ہے، لیکن بے علمی اور جہل کے ساتھ یہ عبادت فاسد ہوجاتی ہے۔ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا ہے، آپ فرمارہے تھے: **لایقص إلا أمیر أو مامور أو مختال (رواہ ابوداؤد فی کتاب العلم)**

وعظ وبیان تین ہی آدمی کرتے ہیں، امیر، یا مامور، یا متکبر۔

مشہور تابعی حضرت شریح سے منقول ہے کہ یہ حدیث وعظ وتقریر سے متعلق ہے، یعنی امراء وسلاطین خطبۂ وتقریر کے ذمہ دار ہوتے تھے، لوگوں کو نصیحت کرتے تھے، اور انھیں تنبیہ وتذکیر کیا کرتے تھے۔ اور مامور، وہ ہے جسے امام وعظ وتقریر کے لئے متعین کرے، پس وہ لوگوں کو نصیحت کرے اور ان کے سامنے بیان کرے۔ اور مختال وہ ہے جو از خود اپنے آپ کو واعظ ومذکر بنا کر پیش کرے، اور جاہ ومرتبہ کے حصول کے لئے اسٹیج پر بیان کرے، وہ نمائش اور کبر کے اندر مبتلا ہو۔ (**بذل المجہود**، ج:۱۱،ص:۳۹۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وعظ اسے کہنا چاہئے جو مامور وماذون ہو، یہ امر اور اجازت اصلاً تو حکومت اسلامی کی طرف سے ہونی چاہئے، لیکن ہمیں اسلامی حکومت کہاں نصیب؟ تو کم از کم معتبر علماء ومشائخ کی طرف سے اجازت ہو، بلکہ حکم ہو، ورنہ یہ کام نمود ونمائش اور کسب معاش کا ایک ذریعہ بن کر رہ جاتا ہے۔

علماء اور واعظین کی ذمہ داریاں بہت بڑی ہیں، ان کے اقوال وارشادات کی طرح ان کے اعمال واحوال بھی لوگوں پر اثر کرتے ہیں، بات تو بہت اچھی ہو، لیکن حال اچھا نہ ہو، یا عمل کچا ہو، تو بات کی تاثیر تو جاتی ہی ہے، عالم کا وقار بھی ختم ہوتا ہے، اور جب عالم کا وقار اور واعظ کی عظمت قلب میں نہ ہو تو نہ وعظ موثر ہوتا، اور نہ دین سے محبت ہی دل میں پیدا ہوتی، اور عوام کے دلوں میں سب سے زیادہ بے وقعتی جس چیز سے پیدا ہوتی ہے وہ مال کی حرص اور اس کا سوال ہے، بلکہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ فلاں عالم کے قلب میں مال کی عظمت ہے، تو صرف اتنے سے وہ نگاہوں سے گر جاتا ہے، حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف میں حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مشہور اہل کتاب تابعی حضرت کعب احبار علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ: اصحاب علم کون لوگ ہیں؟ عرض کیا کہ وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتے ہیں، فرمایا کہ وہ کیا چیز ہے جو علماء کے قلوب سے علم کو نکال باہر کرتی ہے؟ عرض کیا کہ: طمع، یعنی حرص اورلالچ۔ (**رواه الدارمی**)

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اعلان ان کی قوموں میں یہ ہوتا تھا کہ **لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْراً إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ**، میں اپنی اس خدمت پر جو ہدایت وارشاد کے متعلق کررہا ہوں، تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا طالب نہیں ہوں، میرا اجر تو محض اللہ پر ہے۔ اس اعلان نے تمام اقوام کو اس طرف سے مطمئن کردیا کہ یہ جو کچھ ہم سے کہا جارہا ہے اس کے نتیجے میں مال وجاہ کا کوئی سوال نہ ہوگا، اگر قوموں کو اس کا ذرا بھی خطرہ گزرتا، تو وہ سب سے زیادہ اسی پر شور مچاتیں، اور اگر کسی کا مقصد کسی درجہ میں حصول زر ہو، تو وہ اپنی مخاطب قوم کی مخالفت کبھی مول نہ لے گا، بلکہ وہ ان کی من پسند باتیں کرے گا، تاکہ اس کی جیب گرم ہوتی رہے۔

ایک عالم اور واعظ کی یہ بڑی تذلیل ہے کہ اسے حرص مال کی طرف منسوب کیا جائے، اوراس کا وقار صدگونہ بڑھ جاتا ہے، اوراس کی عظمت ومحبوبیت المضاعف (کئی گنا) ہوجاتی ہے، جب اس کا قلب مال وجاہ کی حرص سے بے نیاز ہوتا ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی: **یا رسول الله! دلنی علیٰ عمل إذا عملته أحبنی الله وأحبنی الناس**۔ مجھے کوئی ایسا عمل بتایئے، کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بھی مجھ سے محبت کریں اور لوگ بھی، آپ نے فرمایا: **إزهد فی الدنیا یحبک الله**، دنیا سے بے رغبت ہوکر رہو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائیں گے، اور **إزهد فی ما أیدی الناس یحبک الناس**، (ابن ماجہ) اور جو کچھ دوسروں کے ہاتھ میں ہے، اس سے بے رغبت ہوجاؤ، تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا متفقہ اُسوہ اور رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی عام علماء کرام اور بالخصوص واعظین ذوی الاحترام کیلئے ایک بہترین رہبر ہے، لوگوں کو نفع پہونچایئے، مگر ان سے کسی حصول نفع کی آس مت رکھئے، حق تعالیٰ کی ذات اور خزانۂ غیب پر یقین اور اطمینان کیجئے۔

خالق تعالیٰ کے حضور نیازمندی اور مخلوق سے بے نیازی، علماء اور واعظین کی بہترین پناہ گاہ ہے، اللہ تعالیٰ نیک توفیق بخشیں۔ آمین

میں نے مروجہ جلسوں اور حضراتِ مقررین کے متعلق کچھ باتیں عرض کرنے کی ہمت کی تھی، چند اور گزارشیں کرنی تھیں، انھیں اب پیش کر رہا ہوں، خدا کرے ان سے نفع ہو۔

(۱) پہلی گزارش آج کی مجلس میں یہ ہے کہ جلسوں کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے، دور دور تک اس کی اطلاعات پھیلائی جاتی ہیں، لوگ مقرر اور واعظ کی شخصیت اور اس کی تقریر کی کشش میں دور نزدیک سے آتے ہیں، جس قدر مقرر سے تعلق ہوتا ہے، عقیدت و محبت ہوتی ہے، اسی کے بقدر دلچسپی سے لوگ پہونچنے کا اہتمام کرتے ہیں، اس لئے مقرر حضرات کو چاہئے کہ جب کہیں پہونچنے کا وعدہ کریں، تو ہر ممکن جدوجہد کر کے وہاں پہونچیں۔ وعدہ کا پورا کرنا ایمان کے لوازم میں سے ہے، اور وعدہ کی پروا نہ کرنا، معمولی اعذار کی وجہ سے اس کو ٹال جانا، نفاق کی علامت ہے، پس جب وعدہ کرلیا، تو شدید مجبوری ہو تو الگ بات ہے، ورنہ ضرور پہونچ جانا چاہئے، اور جب شدید مجبوری ہو، تو اس کی اطلاع منتظمین جلسہ کو ضرور کر دیں، چاہے اس کے لئے آدمی بھیجنا پڑے، اور اس اطلاع میں غلط بیانی ہرگز نہ کی جائے، ورنہ بات کھل کر رہتی ہے پھر علماء اور دینداروں کا بھرم جاتا ہے، اور عوام میں بدگمانی پھیل جاتی ہے۔

کافی عرصہ کی بات ہے! ایک شہر میں جلسہ تھا، یہ جلسہ کسی ایک شخص نے اپنی ذمہ داری پر منعقد کیا تھا، ایک ہی مقرر کو مدعو کیا تھا، وہ صاحب ناموری کے اسٹیج پر ابھر رہے تھے، جلسے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے، اشتہارات چھپ گئے، عین جلسے کے دن عصر کے وقت

ایک صاحب میرے پاس آئے کہ فلاں صاحب ایک جلسہ کرا رہے ہیں، سب انتظامات ہو گئے ہیں، کچھ دیر پہلے مقرر صاحب کو فون کیا گیا، تو وہ بہت بیمار ہیں، صاحب فراش ہیں، انھوں نے معذرت کی ہے، اب منتظمین کے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں، آپ چل کر جلسہ میں وعظ کہہ دیں۔ اس وقت مجھے جلسوں سے اور جلسے کی تقریروں سے بغایت وحشت تھی، میں نے بہت معذرت کی، مگر وہ نہ مانے، مجھے زبردستی کھینچ کر لے گئے، دو روز کے بعد معلوم ہوا کہ وہی مقرر، اسی دن، اسی وقت دوسری کسی جگہ جلسہ میں شریک تھے۔

اسی کے ساتھ اہل انتظام کو بھی لازم ہے کہ جب تک حضراتِ مقررین کی جانب سے وعدہ نہ ہو، اشتہار میں نام نہ شائع کریں، اس سلسلے میں اہل انتظام کی طرف سے بہت کمزوری دیکھنے میں آتی ہے، مقرر اور واعظ کو معلوم نہیں، اور شہرہ ہے کہ وہ فلاں جگہ جا رہے ہیں۔ دیانت داری، راست بازی، ایفائے وعدہ دین کے بنیادی لوازم میں ہیں، پس جو لوگ دین کی خدمت انجام دینا چاہتے ہیں، انھیں ان باتوں کا خصوصی التزام ضروری ہے۔

(۲) حضراتِ مقررین و واعظین، کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ان کا مقصود محفل پر اپنا رنگ جمانا اور لوگوں کو اپنی قیادت وسیادت کی طرف دعوت دینی مقصود نہیں ہے، بندے سب بندے ہیں، انھیں بندہ ہی بنا رہنا زیب دیتا ہے، یہاں تو انبیاء تک کے بارے میں حکم ہے کہ: مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَاداً لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ۔ (آل عمران: ۷۹)

کسی بشر کا کام نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اسے کتاب وحکمت اور نبوت عطا فرمائے، اور وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ تم لوگ میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم اللہ والے بنو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور اس کو پڑھتے ہو۔

جب نبی کو یہ حکم ہے، تو سمجھنا چاہئے کہ دوسرے تمام وہ لوگ جو لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے ہیں، ان کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے کو، اپنی شخصیت کو درمیان سے ہٹا کر

محض اللہ کی طرف، اللہ کے دین کی طرف، اللہ کے بندوں کو دعوت دیں، کیونکہ کتاب اللہ پڑھنے پڑھانے کا تقاضا یہی ہے۔

بہرحال وعظ وتقریر کا کام تو کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ الذاریات:) تذکیر کرتے رہو، کیونکہ تذکیر اہل ایمان کو نفع دیتی ہے۔ لیکن تذکیر کس طرح ہو یہ مسئلہ خاصا اہم ہے، جس طرح اہل ایمان دوسرے اعمال میں آزاد نہیں ہیں، شریعت کے پابند ہیں، ایسے ہی وعظ وتقریر بالفاظ دیگر تذکیر بھی پابند ہیں، یہاں تذکیر کے لئے دو بنیادی چیزیں ہیں، ایک قرآن، دوسرے حدیث۔

مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اصول تفسیر پر ایک مختصر رسالہ تحریر فرمایا ہے، جس کا نام ''الفوز الکبیر'' ہے۔ اس میں ذکر فرمایا ہے کہ قرآن کریم کے بنیادی علوم پانچ ہیں، ۱۔ علم احکام، ۲۔ علم مخاصمہ، ۳۔ علم تذکیر بآلاء اللہ، ۴۔ علم تذکیر بایام اللہ، ۵۔ علم تذکیر بالموت ومابعد الموت۔ احکام میں عبادات، معاملات، خاندانی مسائل اور حکمرانی وسیاست کے احکام ہیں کہ کیا واجب ہے، کیا مستحب ہے، کیا مباح ہے، کیا حرام ہے، کیا مکروہ ہے وغیرہ، اس علم کا تعلق فقیہ سے ہے۔

علم مخاصمہ کا تعلق دنیا کے گمراہ فرقوں سے ہے، ان کی غلطیوں کی نشاندہی اور سچی اور حق بات کا بیان، اس علم کا تعلق ''متکلمین'' سے ہے۔ ان دونوں علوم کے بعد علم تذکیر ہے، یعنی وعظ ونصیحت، پھر اس کی تین شاخیں ہیں، ہر شاخ ایک مستقل علم ہے، اول اللہ تعالیٰ کے احسانات، نعمتوں، زمین وآسمان کے تکوینی انتظامات ومصالح اور حکمتوں کے ذریعے سے بندگان خدا کی تذکیر! دوسرے حق تعالیٰ کے تصرفات جو بندوں کے درمیان ان کے ایمان واطاعت یا کفر وسرکشی کے نتیجے میں واقع ہوئے ہیں، ان کا بیان، اوران کے ذریعے نصیحت ویاددہانی! تیسرے موت اور موت کے بعد کے حالات کا بیان اوران کے واسطے سے بندوں کی رہنمائی!

ان تینوں علوم کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

’’وحفظ تفاصیل ایں علوم والحاق احادیث وآثار مناسبہ آں، وظیفۂ واعظ ومذکر است۔ **ترجمہ**: ان علوم کی تفصیلات کو یاد رکھنا، اوران کے مناسب احادیث وآثار کو شامل کرنا واعظ ومذکّر کا وظیفہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جو علوم ومعارف صراحۃً بیان کئے گئے ہیں، ان میں سے زیادہ تر کا تعلق واعظ ومذکّر سے ہے، پس واعظ اور خطیب کی ذمہ داری ہے کہ ان امور کو قرآن شریف ہی سے بیان کرے، کیونکہ ان سب مضامین کا ذکر قرآن کریم میں ہے، اور اللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان کریں گے تو ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ موثر اور عمدہ کس کا بیان ہوسکتا ہے، ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ ان قرآنی مضامین کی وضاحت کیلئے بطور تشریح کے احادیث وآثار سے کام لے۔

مقصد یہ ہے کہ مقرر حضرات قرآنی مضامین توحید، رسالت، عقیدۂ آخرت، اللہ کے احسانات، نیک وبد اعمال کے حق تعالیٰ کی طرف سے ثواب وعذاب کا تذکرہ قرآن کی آیتوں کی روشنی میں کریں، ان کے مناسب احادیث بیان کریں، آثار صحابہ کے ذریعے شرح کریں، غرض وعظ ایسا ہو کہ ایمان میں اضافہ ہو، دنیا کی عظمت دل سے نکلے، مسلمان دین وایمان پر جمیں۔ ترغیب بھی دیں اور اعمال بد کے نتائج سے بھی ڈرائیں، واہی تباہی قصے نہ سنائیں، فحش اور بے حیائی کو ابھارنے والی باتوں سے احتراز کریں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سامعین کے دل کو موہنے والی ہنسی مذاق والی باتوں سے قطعاً اجتناب کیا جائے۔ بعض مقررین کا طرۂ امتیاز یہی بن جاتا ہے کہ وہ ہنسنے ہنسانے کی باتیں وعظ میں کرتے ہیں، ایسے انداز اختیار کرتے ہیں کہ سامعین میں قہقہہ برپا ہوجاتا ہے، یہ بات قطعاً نامناسب ہے، جن دلوں کو اللہ ورسول کے کلام سے متاثر ہونا تھا، وہ قہقہوں کے سیلاب میں بہہ جاتے ہیں۔ وہ جلسہ ہی کیا جس میں ایمان کی حرارت تیز ہونے کے بجائے ہنسی مذاق سے قلب ودماغ مردہ ہوجائے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

إن العبد ليقول الكلمة لايقولها إلا ليضحك به الناس، يهوى بها أبعد مابين السماء والارض وانه ليزل عن لسانه أشد مما يزل عن قدميه (رواه البيهقى فى شعب الايمان)

آدمی کوئی بات صرف لوگوں کو ہنسانے کے لئے بولتا ہے، اس کی وجہ سے وہ اتنے نیچے گر جاتا ہے جو زمین و آسمان کے درمیانی فاصلے سے بھی زیادہ ہے، اور بلاشبہ آدمی زبان سے اتنا زیادہ پھسلتا ہے کہ قدم سے اتنا نہیں پھسلتا۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب، باب حفظ اللسان)

یہ حدیث ہر وقت پیش نظر رکھنی چاہئے، ہنسنے ہنسانے کو مشغلہ بنانا خود گناہ ہے، اور اس سے سامعین کے قلوب برباد ہوتے ہیں، جلسہ کا جو مقصد ہوتا ہے، اور جس کا خاص اہتمام کرنا چاہئے، وہ نہ صرف فوت ہوجاتا ہے بلکہ آدمی اللہ کی ناراضگی کا شکار بن جاتا ہے۔

اسی طرح وعظ و تقریر میں گا کر اشعار پڑھنا، اور اسے محفل قوالی بنا دینا بھی ایک سنگین غلطی ہے، ٹھوس مضامین، سنجیدہ انداز میں بیان کرنا چاہئے، دوران وعظ مناسب شعر یاد آجائے، تو پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں، مگر جب شعر خوانی میں ترنم ریزی شروع ہوجاتی ہے تو مجلس کا مزاج بدل جاتا ہے، اور بعض مقررین تو نثر کو بھی ترنم اور لحن کے ساتھ ادا کرنے لگتے ہیں۔ یہ چیزیں کبھی کبھی ہوں، تو بعض اوقات کچھ افادیت رکھتی ہیں، مگر پوری تقریر اسی رنگ میں ہونے لگ جائے، یا زیادہ تر، تو وہ ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلسہ میں سنجیدگی کا ماحول برقرار رکھنا چاہئے، قرآن و حدیث کے حوالوں سے مضامین بیان کئے جائیں، مضمون کے مناسب انبیاء کرام، صحابہؓ و بزرگانِ دین کے موثر واقعات ذکر کئے جائیں، لیکن تقریر لمبی کرنی ہوتی ہے، تو دوسری بہت سی باتیں بے سروپا کی لوگ شامل کر دیتے ہیں، اس سے احتراز کرنا چاہئے۔

باتیں تو کچھ اور بھی ہیں، مگر اتنی بھی کافی ہیں، اگر ان کا خیال رکھ لیا جائے، اللہ توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

◉◉◉◉◉

بسم الله الرحمن الرحيم

أمر بالمعروف ونهي عن المنكر

امام غزالی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

> امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا درجہ دین اسلام میں ''مدار اعظم'' کا ہے، یہ اتنی اہم چیز ہے کہ اسی کے واسطے اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو بھیجا ہے، اگر اس کی بساط لپیٹ کر رکھ دی جائے، اور اس کے علم و عمل کا رواج بند ہو جائے تو کارِ نبوت معطل ہو کر رہ جائے، دین و دیانت میں اضمحلال پیدا ہو جائے، خرابیاں عام ہو جائیں، گمرہی پھیل جائے، جہل کا غلبہ ہو جائے، فساد کا دائرہ وسیع ہو جائے، بربادی بے انتہا ہو جائے، آبادیوں کا حال ابتر ہو جائے، بندگانِ خدا ہلاکت کے غار میں گر جائیں، اور انھیں بجز روزِ قیامت کے احساس بھی نہ ہو۔
>
> وہ چیز جس کا ہمیں اندیشہ تھا، وہ ہو گئی إنا لله وإنا إليه راجعون، اس ''مدار اعظم'' کا علم مٹ گیا، اس کی حقیقت فنا ہو گئی، اس کے نشانات تک باقی نہ رہے، قلوب پر مداہنت کا غلبہ ہو گیا ہے، اور خالق کا فکر و خیال دلوں سے محو ہو گیا ہے، لوگ بہائم کی طرح خواہشات و شہوات کے پیچھے چھوٹ پڑے ہیں، اور اب بساط زمین پر ایسے مومن صادق کا وجود نادر ہو گیا ہے، جسے اللہ کی راہ میں کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہ ہو۔
>
> (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۰۶)

یہ ماتم امام غزالیؒ نے اپنے دور کا کیا ہے، اگر وہ ہمارے اس دور کو دیکھتے تو نہ جانے کیا فرماتے؟ اب تو رنگ ہی اور ہے، منکرات کا وہ عموم ہے کہ وہی معروف بن گئے ہیں۔ ان منکرات پر نکیر کون کرے؟ کسے یارا ہے کہ انھیں ٹوک سکے؟ حال یہ ہے کہ منکر پر نکیر

کرنے والا خود موردلعن وطعن بن جاتا ہے، امام غزالی نے حضرت حذیفہ ؓ کا ایک ارشاد نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: **یاتی علی الناس زمانٌ لأن تکون جیفة حمار أحب إلیهم من مومن یامرهم وینهاهم** (احیاء العلوم، ج:٢،ص:٣١١) ایک ایسا وقت بھی آئے گا، لوگ اس مومن کے مقابلے میں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہو، مردار کو پسند کریں گے۔

کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آج یہ بات صادق نہیں آرہی ہے، اب منکرات پر نکیر تو درکنار، ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اگر کوئی اتفاق سے ٹوک دے، تو ان لوگوں کی بھی پیشانیوں پر بل آجاتا ہے جو معروف اور منکر کو سمجھتے ہیں، گویا جس کے جو جی میں آئے کرتا جائے، تنظیم بنا کر، یا انفرادی طور پر بس اتنی شرط ہے کہ بظاہر وہ کام مثبت رنگ کا ہو، خواہ قرآن وسنت سے میل نہ کھاتا ہو، خواہ وہ غیروں کی نقالی میں ہو، خواہ اس سے دینی احکام پر زد پڑتی ہو، لیکن اسے کوئی نہ ٹوکے، کیونکہ فرض کرلیا گیا ہے کہ ٹوکنا تخریب ہے، احتساب کی اجازت کوئی نہیں دیتا، ہر شخص اور ہر جماعت اپنی رائے پر نازاں ہے۔

لیکن یہ کیا کوئی اچھا حال ہے؟ اس کا جواب قرآن کریم میں تلاش کیجئے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: **وَتَریٰ کَثِیْراً مِنْهُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَکْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ، لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبَّانِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُعَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَأَکْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَاکَانُوْا یَصْنَعُوْن** (سورہ مائدہ:٦٢/٦٣) اور تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور ظلم اور حرام کھانے پر دوڑتے ہیں، بہت برے کام ہیں جو کررہے ہیں، کیوں نہیں منع کرتے، ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کے کہنے سے اور حرام کھانے سے، بہت ہی برے عمل ہیں جو کررہے ہیں۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں کہ:

> ”جب خدا کسی قوم کو تباہ کرتا ہے، تو اس کے عوام گناہوں اور نافرمانیوں میں غرق ہوجاتے ہیں، اور اس کے خواص یعنی درویش اور علماء گونگے شیطان بن جاتے ہیں، بنی

اسرائیل کا حال یہی ہوا کہ لوگ عموماً دنیوی لذات وشہوات میں منہمک ہوکر خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کے قوانین واحکام کو بھلا بیٹھے، اور جو مشائخ اور علماء کہلاتے تھے انھوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ترک کردیا، کیونکہ حرص اور اتباع شہوات میں وہ اپنے عوام سے بھی آگے تھے، مخلوق کا خوف یا دنیا کا لالچ حق کی آواز بلند کرنے سے مانع ہوتا تھا، اسی سکوت اور مداہنت سے پہلی قومیں تباہ ہوئیں۔

سورہ مائدہ ہی میں کچھ دور آگے چل کر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: **لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوُدَ وَعِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ، کَانُوْا لَایَتَنَاھَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ لَبِئْسَ مَاکَانُوْا یَفْعَلُوْنَ** (سورہ مائدہ: ۷۹/۷۸) ملعون ہوئے کافر بنی اسرائیل کے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بن مریم کی، یہ اس لئے کہ وہ نافرمان تھے، اور حد سے گزر گئے تھے، آپس میں منع نہ کرتے تھے برے کام سے جو وہ کررہے تھے، کیا ہی برا کام ہے جو کرتے تھے۔

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

> ”یوں تو تمام کتب سماویہ میں کافروں پر لعنت کی گئی ہے، لیکن بنی اسرائیل کے کافروں پر جب وہ عصیان وتمرد میں حد سے گزر گئے کہ نہ مجرم کسی طرح ارتکاب جرائم سے باز آتا تھا، اور نہ غیر مجرم، مجرم کو روکتا تھا، بلکہ سب شیر وشکر ہوکر بے تکلف ایک دوسرے کے ہم پیالہ وہم نوالہ بنے ہوئے تھے، منکرات وفواحش کا ارتکاب کرنے والوں پر کسی طرح کے انقباض، تکدر اور ترشروئی کا اظہار بھی نہ ہوتا تھا، تب خدا نے حضرت داؤد ؑ اور حضرت مسیح ؑ کی زبان سے ان پر لعنت کی۔“

امام احمد بن حنبل، امام ترمذی، امام ابوداؤد علیہم الرحمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”بنی اسرائیل جب معاصی میں پڑے، تو اوّلاً ان کے علماء نے منع کیا، مگر وہ نہیں مانے، لیکن اس کے باوجود وہ علماء ان کے ساتھ ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے، ان کے ساتھ

کھاتے اور پیتے رہے، پس اللہ نے ایک دوسرے کے قلوب کو باہم ٹکرا دیا، اس کے بعد ان پر حضرت داؤد اور عیسی بن مریم کے واسطے سے لعنت کی، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔‘‘

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول ﷺ جب یہ فرما رہے تھے تو ٹیک لگائے ہوئے تھے، اتنا فرما کر سیدھے بیٹھ گئے، اور فرمایا نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہاں تک کہ تم ان کو روکو۔‘‘ (مشکوۃ شریف، تفسیر ابن کثیر)

یہ ایک آئینہ ہے جس میں ہم اپنی تصویر دیکھ سکتے ہیں، کیا بنی اسرائیل کا حال جو قرآن کریم اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے، ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے، اور کیا قلوب پر مداہنت خلق کا غلبہ نہیں ہے، کہیں اپنی آن اور جاہ کا خیال ہے، کہیں اپنی جماعت اور پارٹی کی حمایت کا مسئلہ ہے، کہیں اپنی قوم اور برادری کا خوف ہے، حد تو یہ ہے کہ اب نہی عن المنکر کو تخریب اور جارحیت سمجھا جانے لگا ہے اور طرح طرح کے بے بنیاد شبہات والزامات کا اسے مورد قرار دیا جاتا ہے۔

امام غزالیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ وہ پہلے حکام کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے، پھر انھوں نے جانا بند کر دیا، ان سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے رہتے، تو ان کے دلوں پر اثر ہوتا، تو انھوں نے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر ان سے بات کروں، تو کہیں میرے سلسلے میں وہ نہ سمجھ جائیں، جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں (یعنی میری نیت کچھ اور ہو، وہ اسے کسی اور نیت وغرض پر محمول کر لیں) اور اگر خاموش رہوں تو اندیشہ ہے کہ گنہگار ہو جاؤں گا۔ (احیاء العلوم، ج:۲، ص:۳۱۱)

اور یہ بالکل امر واقعہ ہے کہ کوئی شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کسی نیت سے انجام دیتا ہے، اور لوگ اسے دوسرے مقاصد پر محمول کرنے لگتے ہیں، اور انھیں اس کا خیال شاید نہیں ہوتا کہ یہ بدگمانی گناہ کے دائرے میں آجاتی ہے۔

پہلے جو بات ’’سلطانیٔ افراد‘‘ کے دور میں تھی، اب وہی بات ’’سلطانیٔ جمہور‘‘ کے

دور میں بھی ہے، تاہم اس دور میں عزلت نشینی اختیار کرکے آدمی اپنی ذمہ داریوں کو کم کرسکتا تھا، مگر آج نشرواشاعت اور پریس کے بے انتہا پھیلاؤ کی وجہ سے کسی کی عزلت نشینی اس کی ذمہ داریوں کو ہلکا نہیں کرسکتی، وہ برائی کی جگہوں پر حاضر نہیں ہوگا، وہ منکرات کی مجلسوں سے دور رہے گا، مگر یہ جگہیں اور یہ مجلسیں خود اس کے گھر پہونچ جائیں گی، پھر اگر وہ بولے تو ’’سطانئ جمہور‘‘ اسے نہ جانے کن مقاصد پر محمول کرلے، اور اگر نہ بولے تو عنداللہ گنہگار ہوگا۔

بہرکیف! ایک بڑی ذمہ داری کی چیز ہے، اس سے صرف نظر کرنا خطرناک ہے، اور اسے اختیار کرنا لوگوں کے طعن کا نشانہ بننا ہے، لیکن یہاں پر سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ایک ارشاد ضرور یاد رکھنا چاہئے، انھوں نے ایک روز خطبہ دیتے ہوئے منبر پر ارشاد فرمایا کہ: **واعلموا أن الامر بالمعروف والنهی عن المنكر لايقطع رزقاً ولايقرب أجلاً۔** خوب سمجھ لو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے نہ رزق بند ہوگا، اور نہ موت قریب آجائے گی۔

نیز حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے، جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ عصر کے بعد تقریر فرمائی، اور قیامت تک آنے والی بہت سی باتوں کا تذکرہ فرمایا، اس میں یہ بھی فرمایا کہ: **ولا يمنعن أحداً منكم هيبة الناس أن يقول بحق إذا علمه وفی رواية إن رأى منكراً أن يغيره فبكىٰ ابوسعيد وقال قد رأيناه فمنعتناه هيبة الناس أن نتكلم فيه** (مشکوٰۃ شریف، ج:۲، ص:۴۳۷)

مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ہیبت اور لوگوں کا دباؤ تمہیں حق بات کے کہنے سے رکاوٹ بن جائے، جبکہ وہ اس حق بات کو جانتا ہو، پھر حضرت ابوسعید خدریؓ رو پڑے، اور فرمایا کہ ہم نے تو اسے دیکھ لیا، چنانچہ لوگوں کی ہیبت نے ہمیں حق بات کہنے سے روک دیا۔ **أللٰهم وفقنا لما تحب وترضىٰ من القول والعمل والفعل والنية والهدىٰ إنک علىٰ كل شئ قدير۔**

☆☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

امر باالمعروف و نہی عن المنکر کا سلیقہ

امر باالمعروف (اچھی بات کی تلقین) اور نہی عن المنکر (بری بات سے ممانعت) ایک شرعی فریضہ ہے، اور ایسا فریضہ ہے کہ اسی سے دین و دیانت کی زندگی ہے، اگر اسے ترک کر دیا جائے تو شیطان پوری انسانیت پر ہلّہ بول دے گا، اور سب کو گمراہی کی دلدل میں پھنسا دے گا۔ اس کی ضرورت ہر زمانے میں رہی ہے، لیکن موجودہ دور میں جبکہ دنیا کو قبلۂ مقصود بنالیا گیا ہے، دنیا ہی کے نفع ونقصان کو سب کچھ سمجھا جاتا ہے اور اسی محور پر انسان کی زندگی گردش کر رہی ہے، اس کے نتیجہ میں آخرت فراموش ہوگئی ہے، دینی احکام کی عظمت دل سے نکل گئی ہے، کافر تو کافر ہے، اپنے دل میں ایمان رکھنے والا بھی بڑی حد تک گناہوں پر بے باک اور جری ہوگیا ہے، اسی حالت میں اس کی جتنی ضرورت واہمیت ہے واضح ہے۔ قدم قدم پر متنبہ کرنے اور ٹوکنے کی ضرورت ہے، برائیوں کو اگر سلیقہ سے ٹوکا جائے تو وہ سمٹتی ہے اور اگر اسے ٹوکنا چھوڑ دیا جائے تو پھیلتی چلی جاتی ہے، ہر شخص اپنے دائرۂ اثر میں اس کا ذمہ دار ہے کہ بھلائیوں کو پھیلانے کی کوشش کرے اور برائیوں پر ٹوکے، مگر اس کے لئے خاص طریقہ ہے، خاص سلیقہ ہے، اور خاص شرطیں ہیں۔ شرطیں تو یہ ہیں کہ آدمی کو اچھے برے کا علم ہو، علم کے بغیر اس میدان میں قدم رکھنا خود ایک برائی ہے جس سے منع کرنا واجب ہے، اس لئے ضروری ہے کہ معروف اور منکر کا علم حاصل کرے، پھر جس درجہ کا معروف یا منکر ہو اسی درجہ کے مطابق اس کا حکم کرے یا اس سے منع کرے، نیز جس شخص کو وہ ٹوک رہا ہے اس کے درجے اور مرتبے کا علم بھی اور اس کا لحاظ بھی ضروری ہے، باپ کو فہمائش کرنے کا انداز اور ہوگا اور بیٹے کو ٹوکنے کا انداز اور ہوگا، اسی طرح ہر شخص اور ہر ماحول میں فرق مراتب کا لحاظ شرط ہے۔ سلیقہ یہ ہے کہ تنبیہ اور فہمائش کا انداز ہمدردی اور خیر خواہی کا ہو، خوامخواہ ذلیل کرنے اور زچ کرنے کا انداز نہ ہو، نہ کسی کے پیچھے پڑا جائے۔ آدمی کا کام دلسوزی اور ہمدردی کے ساتھ نصیحت کرنا ہے، چاہے جتنی مرتبہ کرنی پڑے، اس نصیحت پر عمل

کرا دینا، اس کا اثر دل میں ڈالنا اللہ کا کام ہے۔

طریقہ یہ ہے کہ جس بات کا حکم دیتا ہے یا جس بات سے منع کرتا ہے، اس کا عمل اور اس کا حال اس کے قول کی تردید نہ کرتا ہو، آدمی جس چیز پر خود عمل کرتا ہے اس کا حکم کسی کو دے گا تو اس سے نصیحت کے قبول ہونے کی توقع زیادہ ہے اور خود اس کی ذلت نہ ہوگی۔ اسی طرح جس بات سے منع کرتا ہے اس میں اس کا دامن آلودہ نہیں ہونا چاہئے ورنہ ملامت اور رسوائی کا نشانہ بن کر رہے گا۔ آپ جس کو کسی اچھی بات کی تلقین کریں گے یا کسی برائی پر ٹوکیں گے تو اس کی نگاہِ احتساب آپ پر اٹھے گی .....اور یہ فطری بات ہے.....اگر وہ دیکھے گا کہ آپ کی زندگی اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے جس کی آپ تلقین کر رہے ہیں تو وہ مطمئن ہو جائے گا، پھر اپنے طرزِ عمل میں تبدیلی لانے کا قصد کرے گا، اور اگر اس نے دیکھا کہ آپ تلقین تو ضرور کر رہے ہیں مگر آپ کا معیارِ عمل اس کے مطابق نہیں ہے تو وہ لاپروائی سے ٹال دے گا کہ پہلے آپ اپنے کو دیکھئے، یہ طریقہ کہ قول و عمل میں تضاد ہو خود ایک منکر (برائی) ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ٹوکا ہے، فرماتے ہیں کہ: **اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** یہ خطاب علمائے یہود سے ہے۔ فرماتے ہیں کہ تم اوروں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہو، حالانکہ تم کتاب اللہ کو پڑھتے ہو، کیا اتنا نہیں سمجھتے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے اور پوری خیر خواہی سے کرتا ہے، لیکن بیٹا دیکھتا ہے کہ باپ کا اس پر عمل نہیں ہے، تو وہ ذرا سا بھی متاثر نہیں ہوتا۔ علماء عوام کو فہمائش کرتے ہیں، وعظوں میں بھی، تحریروں میں بھی، عام گفتگوؤں میں بھی، مگر جب کرنے کا موقع آتا ہے تو بسا اوقات بہت سے علم دین رکھنے والے اور اصطلاحاً عالم کہلانے والے عملی اعتبار سے اسی سطح پر ہوتے ہیں جس پر ایک عام آدمی ہوتا ہے، بلکہ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کچھ اس سے بھی نیچے اتر جاتے ہیں، تو ایسے لوگ عوام الناس کی زبانوں کے کھلونا بن جاتے ہیں اور اس کا اثر جب عام ہوتا ہے تو پھر کسی کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے۔ خواص کو اور علماء و مشائخ کو اپنے طریقۂ زندگی کا اور اپنے کلام کا احتساب کرنا چاہئے اور عوام کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے اللہ کا حکم جان کر دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ **واللہ الموفق وھو المعین**